دل کا مقدمہ ہار کر

میں کمرے میں داخل ہوا تو وہ حجلۂ عروسی میں میری منتظر تھی۔ دروازہ بند کر کے میں چند لمحوں تک دروازے کے قریب ہی کھڑا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ میرا دل آج عام ڈگر سے ہٹ کر دھڑک رہا تھا۔ شعور و لاشعور میں ایک بڑی' بہت بڑی تبدیلی کا گہرا احساس بسا ہوا تھا۔

آج کے دن سے زندگی بدل گئی تھی۔ جیسے نئی زندگی شروع ہوئی تھی۔ نئی زندگی کی ابتداء اور ساتھ دینے کے لئے ایک حسین ہم سفر..... شادی' انسان کے لئے کس قدر خوش کن احساس ہے۔ میں دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس تک پہنچا اور آہستگی سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔

اس کی چوڑیاں ہولے سے بجیں تو مجھے اس کے وجود میں ارتعاش کا احساس ہوا۔ لمبے' گلابی گھونگھٹ کے پیچھے چھپا وہ چہرہ اپنی رونمائی کا منتظر تھا۔

''گیتی آرا!'' میں صرف اس کا نام جانتا تھا۔ وہ کیسی نظر آتی تھی' وہ کیسے ہنستی تھی' کیسے دیکھتی تھی' کیا سوچتی تھی؟ میں کچھ نہ جانتا تھا۔

مجھے تو صرف اتنا علم تھا کہ میں نے وکالت کا امتحان پاس کیا تھا اور اماں نے مجھے لڑکی پسند کر لینے کی نوید سنائی تھی۔ دو مہینے بعد وہ اسے بہو بنا کر لے آئی تھیں۔

وہ میرے لئے ناآشنا تھی' لیکن نکاح کے چند بولوں میں جو عظیم طاقت ہوتی ہے اسے میرا رواں رواں محسوس کر رہا تھا۔

''کیتی!'' میں نے اسے پکارا۔ میرے لہجے میں استحقاق تھا۔
مجھے خود پر حیرت ہوئی مجھے لگا' ہماری برسوں کی آشنائی تھی۔ میں نے اس کا گھونگھٹ اٹھایا اور میرے لبوں پر مسکراہٹ چمکنے لگی۔
وہ میری اماں کا انتخاب تھی۔ کسی تراشیدہ ہیرے کی مانند دمک رہی تھی۔ میرے دل پر جو ایک انجانے سے خوف کا بادل چھایا ہوا تھا' چھٹ گیا۔ میں جو پورے دن کا تھکا ہوا تھا' بالکل فریش ہو گیا۔ اس کی نازک انگلی میں سونے کی انگوٹھی پہنا کر میں نے اس سے چند ایک باتیں کیں تو وہ قدرے مطمئن اور قدرے بااعتماد نظر آنے لگی۔
کچھ ہی دیر میں نا آشنائی اور اجنبیت کی گھٹن ہماری مسکراہٹوں اور دبی دبی ہنسی کے روزن سے نکل بھاگی۔
ہم ایک دوسرے کو ہمیشہ سے جانتے تھے۔
ہم ایک دوسرے کے بنا ادھورے تھے۔
کیتی آرا، میری زندگی کا دوسرا نام تھا۔



''کیتی!'' میں آفس سے لوٹا تھا۔
میری عادت راسخ ہو چکی تھی۔ میں گھر پہنچتے ہی اسے آوازیں دینے لگتا تھا اور ہماری شادی کو محض دو ماہ ہوئے تھے۔
''لڑکے! پہلے پورا گھر میں داخل تو ہوا کر۔'' اماں جو صحن میں بچھے تخت پر غالباً عصر کی اذان کے انتظار میں بیٹھی تھیں' مجھے ٹوکے بنا نہ رہ سکیں۔
''السلام وعلیکم اماں۔'' جھینپنا لازمی امر تھا۔
اندر سے آتی کیتی آرا شرارت سے مسکرا دی تھی۔ میں نے اماں کی نظر بچا کر ... لفنگوں کی طرح آنکھ ماری۔ اس نے مصنوعی خفگی سے مجھے گھورا اور کچن کی سمت مڑ گئی۔
''کیتی! بچے کو پانی پلا تھکا ہارا لوٹا ہے۔''
اماں نے نیت باندھنے سے قبل کہا تھا۔
اماں کا نیت باندھنا تھا۔ میں جھپاک سے کچن میں جا گھسا۔ وہ میرے لئے

شربت بنا رہی تھی۔

"خیر سے وکیل ہیں جناب!" وہ چینی گھولتے ہوئے بولی۔

"جی ہاں می لارڈ! ہر جرم کی صفائی پیش کر سکتے ہیں' پھر بھی آپ می لارڈ ہیں۔ سزا سنا سکتے ہیں۔"

"یہ شربت پی لیجئے یہی سزا ہے آپ کی۔"

"اوہو" میں نے مایوس سے کہا۔ "میں سقراط نہیں ہوں می لارڈ۔ مجھے تو ہاتھوں کی ہتھ کڑیاں لگا کر کمرے میں قید کی سزا سنایئے۔"

"بولتے بہت ہیں آپ" اس نے مسکراہٹ دبا کر مجھے گھورا۔

"وکیل ہوں می لارڈ!"

اسے ہنسی آ گئی۔ میں بھی ہنسنے لگا۔

"سزا قید کی نہیں ہے۔" پھر وہ بولی۔ "کہیں گھمانے لے کر چلیں۔"

"جو حکم جناب کا' مجرم کو لباس تبدیل کرنے کا موقع دیا جائے۔" میں نے شربت گھونٹ گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔

"ضرور کیجئے خیالات تبدیل کرنے کی اجازت نہیں۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

میں کورنش بجا لایا۔



گیتی زندگی کا جزو خاص تھی۔ اس کے بنا کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔ شادی کو تین ماہ ہو چکے تھے۔ میں نے اسے میکے میں رہنے نہ دیا تھا۔ اپنے ساتھ لے کر جاتا تھا۔ گھر والوں سے ملا کر اپنے ساتھ ہی واپس لے کر آیا کرتا تھا۔

اماں کو میرا یہ انداز پسند نہ آیا۔

"بختیار!" ایک دن انہوں نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا۔

گیتی عشاء کی نماز پڑھ کر میرے لئے روٹیاں پکا رہی تھی۔

"بیٹا! شادی ہو جانے سے لڑکے کی زندگی پر اتنا اثر نہیں پڑتا جتنا کہ لڑکی کی زندگی پر پڑتا ہے۔ لڑکا اپنے گھر' اپنے گھر والوں میں' اپنی جگہ پر رہتا ہے اور لڑکی! جیسے کسی

پودے کو جڑوں سمیت اکھیڑ کر کسی دوسری جگہ نئی مٹی میں لگا دو۔

نئی جگہ بے شک پہلی جگہ سے زیادہ اچھی ہو نئی مٹی بے شک پہلی والی مٹی سے زیادہ نرم' زیادہ زرخیز ہو' مگر بیٹا' پودے کو پھر سے جڑ پکڑنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ بے چارہ سہم جاتا ہے' مرجھانے لگتا ہے۔ رگوں کے ٹوٹنے کا درد دھیرے دھیرے زائل ہوتا ہے۔

لڑکے کا کچھ نہیں جاتا۔ لڑکی ماں' باپ' بہن بھائی سے بچھڑتی ہے۔ مانو' نازک نازک رگیں کسی نے ایک جھٹکے میں توڑ ڈالی ہوں۔ اس درد کو محض عورت کے لئے مخصوص کیا ہے خدا نے ہاں۔"

اماں کو نجانے کیا کچھ یاد آیا تھا۔ ان کی آنکھیں گیلی ہو گئیں۔ میں خاموشی سے بیٹھا سن رہا تھا۔ جانتا تھا جو کچھ وہ کہنا چاہتی تھیں' ابھی باقی تھا۔

''تین ماہ سے بچی اپنے والدین سے ماں جایوں سے دور ہے۔ تڑپتی نہ ہو گی؟''

''میں ملوا کر تو لاتا ہوں اماں!'' میں نے کمزور سے احتجاج کیا۔

''پیاس کو پانی کی جھلک دکھا دو تو کیا پیاس بجھ جاتی ہے۔ بختیار؟''

میں لاجواب ہو گیا۔

گیتی آرا کھانا لے آئی تھی۔ میں اور اماں خاموش ہو گئے۔ وہ دسترخوان لگانے لگی۔ میں نے اس کی جھکی ہوئی پلکوں کو دیکھا۔ وہاں نمی چمک رہی تھی۔ غالباً میری اور اماں کی گفتگو اس نے سن لی تھی۔ میرا دل بے چین ہو گیا۔

''گیتی آرا! آؤ بیٹا تم بھی کھانا کھاؤ۔''

اماں نے اسے کھانا لگا کر واپس جاتے دیکھا' تو پکارا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے اماں! میں تھوڑی دیر سے کھا لوں گی۔''

وہ بہانہ بنا کر چلی گئی۔ میں نے سنا تھا' اس کا لہجہ بھی نم تھا۔

مجھ سے زیادہ نہ کھایا گیا۔ چند لقمے لے کر میں بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''گیتی کو چند روز کے لئے اس کے میکے چھوڑ آؤ۔ بچی تازہ دم ہو جائے گی۔''

اماں نے' میرے کمرے سے نکلنے سے پیشتر' آخری بات یہی کہی تھی۔

میں رات کو اپنی تمام فائلز نمٹا کر سونے کا عادی تھا۔

قدرے تاخیر سے بستر پر آیا تو وہ جاگ رہی تھی۔

میں اپنی جگہ پر دراز ہو گیا۔ وہ بے نیاز بنی رہی۔ میں نے اس کی موٹی سی چوٹی پکڑ کر اسے کھینچا۔

''ہائے بختیار! کیا کرتے ہیں؟''

''ادھر آؤ۔''

''آ جاتی ہوں۔'' وہ سرک کر میرے پاس ہو گئی۔

''کھانا کھایا؟''

''نہیں۔'' وہ قدرے تامل سے بولی۔

''کیوں؟ موٹی ہو گئی ہو کیا؟''

''بھوک نہیں ہے۔''

''کہاں چلی گئی۔ تمہارے بدلے میکے رہنے تو نہیں چلی گئی۔''

اس نے میری بات کا جواب دینے کی بجائے مسکراہٹ چھپانا ضروری سمجھا۔

''اماں سے میری شکایتیں لگاتی ہو۔ نہیں!'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔

اس نے اپنی سیاہ موٹی موٹی آنکھوں سے میری آنکھوں میں جھانکا۔

''میں آپ کو کیسی لگتی ہوں؟''

''کیسی؟''

''شکایتیں لگانے والی؟''

''ہاں لگتی ہو گھنی سی!'' اب کے میں نے مسکراہٹ چھپا کر سنجیدگی سے کہا۔

بس لمحہ بھر کی بات تھی۔ گیتی آرا پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''ہائیں۔ ارے بھئی...... اوہ......'' وکیل صاحب کے طوطے اڑ گئے۔ ''ارے گیتی ارے یار! مذاق کر رہا تھا تمہاری قسم یہ دیکھو تمہارے سر کی قسم میں تو واقعی مذاق کر رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں کل تمہیں تمہارے میکے چھوڑ کر آؤں گا۔ پورے ہفتے کے لئے۔''

آنسوؤں کی لڑی یکا یک ٹوٹی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچی۔

''سچ کہہ رہے ہیں؟'' وہ واقعی خوش ہو گئی تھی۔

میرا دل نجانے کیوں اداس ہو گیا۔ اس کے چلے جانے کا خیال میرے لئے سوہان روح تھا۔ وہ خوش ہو رہی تھی۔

''ہاں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔'' میں سنجیدگی سے بولا۔ پھر قدرے تاخیر سے میں نے اسے پکارا۔ ''گیتی!''

''جی؟'' اس کا لہجہ فریش ہو چکا تھا۔

''رہ لوگی میرے بغیر پورا ہفتہ؟''

''آپ روز ملنے آ یئے گا۔''

''اور راتیں۔ کیسے کٹیں گی؟'' میں نے شکایتاً کہا۔

وہ کچھ نہ بولی بس مسکرا دی۔

اسے اتنا خوش دیکھ کر میں نے بھی منفی خیالات کو سر جھٹک کر باہر نکال پھینکا۔

''اچھا چلو کھانا لے کر آؤ۔'' میری بھوک جاگ اٹھی تھی۔

''اس وقت دو بجے؟'' وہ گھبرا گئی۔

''دو بجے بھوک لگی ہو تو کیا کریں۔ بھوکے سو جائیں؟''

''وکیل صاحب! اماں جاگ جائیں گی۔'' اس نے میری ٹھوڑی پیار سے چھوئی۔

''تو کیا ہوا۔ وہ پکار کر یہی پوچھیں گی نا! کون ہے؟ تم کہنا میں ہوں اماں گیتی! وہ کہیں گی اس وقت کیا کر رہی ہو؟ تم کہنا کھانا کھا رہی ہوں اماں...... بھوک لگی ہے۔''

وہ مجھے گھورنے لگی۔

''یہ کیوں نہ کہوں کہ وکیل صاحب کو بھوک ہے؟''

''اماں کہیں گی اتنی دیر تک جگاتی کیوں ہو میرے بیٹے کو۔'' میں ہنسا۔

وہ مجھے گھورتے ہوئے باہر چلی گئی۔

ابھی اس نے کچن کی لائٹ جلائی ہی تھی کہ اماں کی پکار آئی۔

''کون ہے؟''

''میں ہوں! اماں گیتی''

''گیتی! اس وقت کیا کر رہی ہے بیٹا؟''

وہ چند لمحے کے لئے خاموش ہو گئی۔ میرے لب مسکرا رہے تھے۔

''کھانا کھا رہی ہوں اماں۔ بھوک لگی ہے۔'' پھر اس کی آواز آئی تھی۔

اور میں تکیے میں منہ چھپا کر ہنسنے لگا۔



کیتی میکے چلی گئی۔ میرا سکھ' میرا چین' میری نیندیں۔ سب ہی کچھ ساتھ لے گئی۔

میں جب اسے چھوڑنے گیا تھا تو اس کے گھر والوں نے میری اچھی بھلی دعوت کر دی تھی۔ میں کیتی کو بتا آیا تھا کہ اب میں ہفتے بھر بعد ہی آؤں گا۔

''کیوں بختیار؟'' وہ بے چین ہو گئی تھی۔ ''گھر اتنا دور تو نہیں۔''

''بات پاس اور دور کی نہیں ہے کیتی! زندگی میں کچھ اصول ہونے ضروری ہیں۔ مرد روز روز سسرال میں بیٹھا اچھا نہیں لگتا۔ بے وجہ کے تکلفات سے گھر والوں کی روٹین بھی ڈسٹرب ہوتی ہے اور روز سسرال میں دعوتیں اڑاتا مرد اپنی حیثیت کھوتا ہے۔''

مجھے اماں کی کی گئی نصیحتیں یاد آ گئی تھی۔

''کچھ سمجھیں؟'' مجھے اس کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر ترس بھی آیا تھا۔

''سمجھ گئی وکیل صاحب!'' اس نے سر جھٹک دیا تھا۔

اور اب اسے گئے چار روز ہو گئے تھے۔ میں ٹھیک سے سو نہیں پا رہا تھا۔ دو روز سے میں نے شیو نہیں بنائی تھی اور کل صبح ناشتے کے بعد کچھ نہیں کھایا تھا۔ مجھے کیتی کی جدائی کا بخار چڑھ گیا تھا۔

آفس سے واپسی پر میں نے بائیک دوڑائی اور محض بیس منٹ میں اس کے میکے جا پہنچا میں نے بیل بجائی۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ کھل گیا۔ ہرے سوٹ میں ملبوس وہ سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''کیتی!'' میں نے اسے پیاسی نظروں سے دیکھا۔

''جی!'' اس کی پلکیں لرز رہی تھیں۔

''تم جانتی تھیں۔ میں آؤں گا؟''

''جی جانتی تھی۔''

''گھر چلیں۔''

''میں امی کو بتا کر آتی ہوں۔''

وہ اندر جا کر چند لمحوں میں اپنا بیگ اٹھائے واپس آ گئی۔ اچک کر میرے پیچھے بیٹھی اور مجھے تھام لیا۔ میں بائیک اسٹارٹ کر چکا تھا۔



تمام راستہ ہم دونوں ہنستے رہے۔ بسا اوقات ہنسی بہت سی باتوں کا اعتراف ہوتی ہے۔

آفس میں اماں کا فون آیا تھا۔ گیتی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا تھا۔

''اماں۔ اماں کیا ہوا اسے؟'' میں بری طرح گھبرا گیا تھا۔ ''میں اچھا بھلا چھوڑ کر آیا ہوں۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوا۔'' اماں پرسکون تھیں۔ ''تم شام کو کسی اچھی لیڈی ڈاکٹر سے ٹائم لیتے آنا۔''

''شام میں ابھی آ رہا ہوں اماں''

''ارے کوئی ضرورت نہیں۔ دوڑے چلے آنے کی۔'' اماں بھنا گئیں ''وکالت پڑھ گئے' عقل نہ آئی۔ میں نے کہا ہے کسی لیڈی ڈاکٹر سے ٹائم لیتے آنا۔ باپ بننے والے ہو۔''

انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

میں ریسیور تھامے حواس باختہ بیٹھا رہا گیا۔

''باپ ...... باپ ...... فادر؟'' میں نے دل ہی دل میں خود کو باپ بنتے دیکھا۔ میرا دل فرط مسرت سے سرشار ہو گیا۔ گیتی میری بچے کی ماں بننے والی تھی اور اماں مجھے شام کو آنے کا کہہ رہی تھیں۔

''حد ہو گئی!'' میں اسی وقت آفس سے نکل لیا۔ راستے میں ڈھیروں پھل خرید کر میں گھر پہنچا تو واقعی گیتی کو بیماروں کی طرح بستر پر لیٹا ہوا پایا۔

''گیتی۔'' میں نے قریب بیٹھ کر پیار سے اس کی پیشانی چھوئی۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''چکر آ رہے ہیں۔'' وہ نقاہت سے بولی ''سنک کے قریب گر گئی تھی۔''

''گر گئی تھیں؟'' میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ''بچے کو تو کچھ نہیں ہوا؟''

ہر چند کہ میرا سوال اتنا احمقانہ تو نہ تھا لیکن اماں اور گیتی دونوں ہنس دی تھیں۔



میں اس کا خیال رکھنے لگا۔ اتنا خیال کہ بسا اوقات وہ زچ ہو جاتی اور کبھی کبھار تو اماں بھی ناراض ہو جاتی تھیں۔

صبح صبح میں اس کے لئے مالٹے کا رس نکال رہا تھا جب اماں میرے لئے ناشتہ بناتے کچن میں آئیں۔

جب سے گیتی کی طبیعت خراب ہوئی تھی میں نے اماں سے کہہ دیا تھا کہ کھانا اماں پکایا کریں۔

''بختیارا'' اماں مجھے دیکھ کر چونک گئیں۔ ''کیا کر رہا ہے؟''

''گیتی کے لئے جوس نکال رہا ہوں اماں!'' میں اپنے کام میں منہمک تھا۔ ''ہائیں تو تو بالکل ہی جورو کا غلام ہو گیا ہے۔ بختیارا!'' اماں تلملا ہی گئیں۔

''کیا ہے اماں؟'' مجھے برا لگا۔ ''وہ میرے دکھ درد کی ساتھی ہے تو کیا میں اس کے دکھ درد میں شریک نہ ہوں؟ شوہر بیوی کا خیال رکھے تو وہ جیون ساتھی ہونے کا حق ادا کرتا ہے' اس کا غلام تو نہیں بن جاتا۔''

''اچھا میرے وکیل۔ چل نکل یہاں سے۔'' انہیں ہنسی آ گئی۔

میں جوس لے کر کمرے میں آیا تو وہ سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کھنڈی زردی دیکھ کر میرا دل سخت افسردہ ہوا۔ تھوڑے سے دنوں میں گالوں کے گلاب مرجھا گئے تھے۔

''گیتی۔'' میں نے پیار سے اسے جگایا۔ ''لو جوس پی لو۔ پھر ناشتہ دیر سے کر لینا۔''

وہ اٹھی اور مجھے دیکھ کر سخت حیران ہوئی۔

''آپ آفس نہیں گئے؟''

''بس جا رہا ہوں۔ تمہارے لئے جوس نکال رہا تھا۔''

میں نے گھڑی پر نگاہ دوڑائی۔

''اوہ بختیار!'' آپ تو حد کرتے ہیں۔'' وہ زچ ہوئی۔ ''یہ کام میں خود بھی کر سکتی تھی۔ خوامخواہ آفس سے لیٹ ہو رہے ہیں۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں کام وام کرنے کی..... آرام سے لیٹی رہا کرو۔''

''سب کام اماں پر چھوڑ دوں؟ ان کی عمر ہے کام کرنے کی؟''

''میں کام کے لئے عورت رکھ دیتا ہوں۔ بہرحال تمہیں کام کرنے کی ضرورت نہیں، خود کو بھی نقصان پہنچاؤ گی اور میرے بچے کو بھی۔''

''بہت خوب وکیل صاحب!'' وہ خفگی سے جوش پینے لگی۔



سفیان ہماری زندگی میں داخل ہوا اور اماں خاموشی سے چلی گئیں۔ بیٹے کو پانے کی خوشی اتنی زیادہ تھی کہ ہمیں اماں کی جدائی کا غم شدت سے محسوس نہ ہوا۔ ہم ایک دوسرے میں گم تھے۔ زندگی کا وہ دور، حسین ترین تھا۔ میں گیتی اور سفیان۔

زیست میں مزید کوئی طلب نہ تھی کسی شے کی کمی کا احساس نہ تھا۔ ہر جانب، ہر سو محبت ہی محبت تھی۔

سفیان سال بھر کا تھا جب گیتی کی طبیعت پھر خراب رہنے لگی۔ میں ان دنوں اپنے کام میں ازحد مصروف تھا۔ وہ بے تحاشا محنت طلب دور تھا جس پر میری آئندہ حیثیت کا دارومدار تھا۔ میری توجہ گیتی اور سفیان پر کم ہو گئی۔

''بختیار۔'' اس دن اس نے سویرے ہی سویرے پکارا تھا۔

''ہوں کہو؟'' میں الماری کھولے کھڑا تھا۔ آفس جانے کے لئے کپڑوں کا انتخاب کر رہا تھا۔

''یہ..... ذرا سفیان کا فیڈر بنا دیں۔ میری ہمت نہیں ہوتی اٹھنے کی۔''

''گیتی پلیز..... مجھے آج جلدی جانا ہے۔ پہلے ہی لیٹ ہو رہا ہوں۔ تم تھوڑی سی ہمت کرو جانو! میرے لئے ناشتہ بھی بنا دو۔ میں بس ابھی نہا کر نکلتا ہوں۔''

میں جھپاک سے باتھ روم میں گھس گیا۔ نہا دھو کر تیار ہو کر میز تک آیا تو وہ ناشتہ

لگا بیٹھی تھی۔

"دیٹس گڈ۔ ونڈرفل لیڈی!" میں مسکرایا۔

اس کی طبیعت واقعی خراب تھی۔ وہ مسکرا تک نہ سکی۔

"میں کوشش کروں گا کہ شام میں جلدی آؤں۔ ڈاکٹر کے پاس چلیں گے۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"بختیار! ڈاکٹر کے ہاتھ میں کچھ نہیں، یہ دن تو یوں ہی کٹیں گے۔" وہ اداسی سے بولی تھی۔

"اوکے جانو! چلتا ہوں اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ!" میں اس کا گال چھو کر، بریف کیس اٹھائے باہر نکل گیا۔

"اللہ حافظ!" وہ بولی تھی۔



سفیان کے بعد ارما اور ارما کے بعد ایمان اور فرقان...... زندگی سے آٹھ سال یوں نکلے کہ کوئی آہٹ چاپ تک سنائی نہ دی۔

میں بیرسٹر بختیار احمد جیسے ہواؤں میں اڑتا رہا تھا۔ گیتی جیسی شریک سفر واقعی قسمت والوں کو ملتی ہے۔ اس نے کبھی گھر کی کوئی ذمہ داری مجھ پر نہ ڈالی تھی۔ میرے مستقبل کے لئے وہ مجھ سے زیادہ فکرمند رہا کرتی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ گیتی نے میرے لئے بہت کچھ کیا تھا۔ شادی کے بعد میں نے محبت، چاہت اور فرصت کے محض دو سال اس کی جھولی میں ڈالے تھے اور اس نے اپنی محبت، چاہت اور توجہ سے ان دو سالوں کو ضرب دے کر آٹھ کر لیا تھا۔ وہ مجھ سے محنت کرنے اور کام پر توجہ دینے کے لئے اصرار کرتی تھی۔ عام بیویوں کی طرح کبھی وقت کا گلہ شکوہ نہیں کیا کرتی تھی۔

میرا لائف اسٹائل بدل گیا تھا۔ میں ایک کامیاب بیرسٹر تھا۔ اسی حساب سے زندگی گزارنے کے اصول بھی بن گئے تھے۔ وقت بچانے کے لئے میں ہمیشہ جہاز میں سفر کیا کرتا تھا۔ اپنے ذاتی استعمال کے لئے میرے پاس نئے ماڈل کی کرولا تھی۔ گیتی اور بچوں کے لئے دوسری گاڑی مخصوص تھی۔ میرے بچے بہترین اسکولوں میں زیر تعلیم تھے۔ گھر پر

انہیں پڑھانے کے لئے مہنگے سے مہنگا ٹیوٹر رکھا جاتا تھا۔

گیتی بڑی طریقے سلیقے والی عورت تھی۔ وہ خرچ بھی مکمل انداز میں کرتی تھی اور کفایت میں بھی ماہر تھی۔ اس کی وجہ سے میرا بینک بیلنس بھی خاصا متاثر کن تھا اور میرا گھر بھی بہترین انداز میں چل رہا تھا۔

ہاں! مگر ان تمام جھمیلوں سے گھبرا کر' کبھی کبھی دل فرصت کے وہ ہی رات دن کی تلاش کرتا تھا جو وقت کی چکا چوند میں کہیں کھو گئے تھے۔



قریباً ڈھائی بجے کا عمل تھا جب میری گاڑی کی ہیڈ لائٹس نے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے سیاہ گیٹ کو روشن کیا۔ گہرے سناٹے کو ہارن کی آواز نے چند لمحوں کے لئے چونکا دیا تھا۔

میں نے اپنا سر سیٹ کی پشت پر ٹکا دیا اور چہرے پر ہاتھ رکھ کر چند لمحوں کے لئے ستانے کی کوشش کی۔ اتنی دیر میں چوکیدار گیٹ کھول چکا تھا۔ ڈرائیور گاڑی اندر لے گیا۔

گاڑی سے اتر کر اپنا بریف کیس اٹھائے میں اندر آیا تو منورہ جاگتی ہوئی ملی۔ وہ ہماری کل وقتی ملازمہ تھی۔

''سلام صاحب جی!'' اس نے بریف کیس مجھ سے لے لیا۔

''والسلام۔'' میری آواز اور لہجہ تھکن سے چور تھے۔ ''تمہاری بیگم صاحبہ''

''سو رہی ہیں صاحب جی...... کھانا لگاؤں؟''

''نہیں۔'' میں نے مختصراً کہہ کر سیڑھیوں کا رخ کیا۔

کوٹ کاندھے پر لٹکائے' گولائی میں اوپر جاتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتا' میں آنے والے کل کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کل کا دن بھی انتہائی مصروفیت کا دن تھا۔ علی الصبح بیدار ہو کر مجھے ایک ضروری کیس اسٹڈی کرنا تھا۔ پھر بذریعہ پلین لاہور جانا تھا۔ وہاں میری ایک اہم میٹنگ میں شرکت از حد ضروری تھی۔ پھر شام کو واپس کراچی۔ بے حد تھکا دینے والا دن میرا منتظر تھا۔ مجھے کچھ جھنجلاہٹ سی ہوئی۔

صاف ستھرا کمرا میرا منتظر تھا۔ چمکتا فرنیچر' بے داغ' بے شکن بیڈ شیٹ' ستھرا قالین

لیکن گیتی وہاں نہیں تھی۔ وہ اکثر میری غیر موجودگی میں بچوں کے کمرے میں ان کے ساتھ سو جایا کرتی تھی۔

مجھے نجانے کیوں غصہ آیا۔

"یہ گیتی روز ہی بچوں کے ساتھ سو جاتی ہے۔ اسے کبھی تو میرا انتظار کرنا چاہیے۔"

پھر اگلے ہی لمحے مجھے کل کا دن یاد آ گیا۔ میرے پاس غصہ کرنے کے لئے وقت ہی کہاں تھا؟

لباس تبدیل کر کے میں چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا۔ ذہنی تناؤ کم کرنے کا اچھا طریقہ تھا۔

سر اٹھا کر جب میں نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو مجھے یاد آیا۔

آج چودہ اکتوبر تھی۔ میری سالگرہ کا دن۔ آج میں پورے چالیس برس کا ہو گیا تھا۔ میں کچھ دیر خود کو دیکھتا رہا۔ اپنا سن پیدائش یاد کر کے میں نے پھر دل ہی دل میں حساب لگایا شاید کہیں سے ایک آدھ سال کی گنجائش نکلے۔ سیدھا سادا سا حساب پھر سامنے آیا۔ پورے چالیس برس۔ نہ کم نہ زیادہ......

تولیے سے منہ پونچھتا میں باہر نکلا تو آنکھوں میں نیند بھرے گیتی میرے مقابل تھی۔

"ارے تم کیوں جاگ گئیں؟" میں مسکرا دیا۔

"میں نے سوچا' کھانے کا پوچھ لوں!" اسے اب بھی سخت نیند آ رہی تھی۔

"میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔ ویسے بھی منورہ جاگ رہی تھی' تم نے بے وجہ ہی اپنی نیند خراب کی۔ اچھا یوں کرو چھ بجے کا الارم لگا دو۔ مجھے علی الصبح اٹھنا ہے۔"

میں سونے کے لئے لیٹ گیا۔

گیتی آراء نے ٹائم سیٹ کر کے الارم پیس میرے سرہانے رکھ دیا۔ پھر نائٹ بلب روشن کر کے لائٹس آف کر دیں اور خود بھی اپنی جگہ لیٹ گئی۔

ہر چند کہ میں بہت تھکا ہوا تھا پھر بھی گیتی کی سانسوں کے زیر و بم سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے ہی سو گئی تھی۔

مجھے پھر یاد آ گیا۔ آج تو سالگرہ کا دن یوں دبے پاؤں گزر رہا تھا کہ مجھے خود بھی خبر نہ ہوئی تھی۔ شادی کے بعد ابتدائی چند برسوں میں گیتی نے اس دن کا بڑا خیال رکھا تھا۔ میں گھر لوٹتا تو اسے خصوصیت سے تیار دیکھ کر کسی خاص بات کا احساس ہو جایا کرتا تھا۔ پھر وہ اہتمام سے تیار کردہ کیک اور دیگر لوازمات میز پر سجاتی تو میں فوراً سمجھ جاتا تھا کہ اسے میری سالگرہ کا دن...... یاد ہے۔ میں اسے رات کا کھانا باہر کھلانے لے جاتا تھا اور ہم رات گئے خوش باش لوٹتے۔

یہ محض چند ابتدائی برسوں کی بات تھی بچے بڑے ہوتے گئے۔ گیتی اور میری مصروفیات بڑھتی گئیں۔ گیتی اچھی بیوی اور بہت ہی اچھی ماں تھی۔ اس نے زندگی بچوں کے لئے وقف کر دی تھی۔ ہر چند کہ گھر میں دیگر ملازم اور ایک کل وقتی ملازمہ موجود تھی لیکن میرے اور بچوں کے زیادہ تر کام وہ خود سرانجام دینا پسند کرتی تھی اور جب سے بچوں نے اسکول جانا شروع کیا تھا وہ زیادہ حساس ہو گئی تھی۔

دوسری جانب میں اپنی فیلڈ میں آگے اور آگے جانے کے لئے کوشاں تھا۔ مجھ پر اچانک ہی بہت زیادہ حاصل کرنے کا بھوت سوار ہوا تھا۔ یہ جنون کسی منہ زور دریا کی مانند چڑھتا ہی چلا گیا۔

گیتی اور بچے جیسے کسی پس منظر کا حصہ بن گئے تھے۔ مجھے بس اتنا علم ہوتا تھا کہ صبح جب میں کورٹ جانے کی تیاری میں مصروف ہوتا تو گیتی بچوں کو اسکول بھیجنے کی فکر میں مبتلا ہوتی تھی اور رات گئے۔ جب میں اپنی اسٹڈی سے برآمد ہوتا تو بچے سو چکے ہوتے تھے اور اکثر یوں ہوتا کہ ان کو سلاتے سلاتے گیتی بھی ان کے ساتھ ہی سو جایا کرتی تھی۔ بچے' خاندان' رسم و رواج' تقریبات ہر طرح کی ذمہ داریاں گیتی نے بنا کچھ کہے سنے سنبھال لی تھیں۔ کبھی کبھی مجھے احساس ہوتا کہ میں اپنے بیوی بچوں کو نظر انداز کر رہا ہوں تو میں خود ہی اسے معذرت پیش کرتا۔

''آدمی کے کچھ کر دکھانے کا یہی پیریڈ ہوتا ہے گیتی! جس مرد نے عمر کے اس حصے میں محنت کر لی' سمجھ لو وہ ساری عمر اس کا پھل پائے گا۔ ایسے میں میری کوتاہیوں کو تمہیں نظر انداز کرنا ہی ہوگا اور پھر میں یہ سب کچھ کس کے لئے کر رہا ہوں؟ تمہارے لئے' بچوں

کے لئے۔'' گیتی سمجھدار عورت تھی۔ اس نے خود کو گھر اور بچوں میں مصروف کر لیا۔ زندگی کے خانوں میں ہم اس طرح سے بٹ گئے کہ یہ خانے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے بھی تھے اور علیحدہ علیحدہ بھی تھے۔

لیکن 'مجھے کیا ہوا تھا کئی برسوں تک بے تکان محنت کرتا ہوا' بختیار احمد اچانک ہی یوں چونکا تھا جیسے پوری رفتار سے بھاگتے ہوئے کسی شخص کے پاؤں میں کانٹا چبھ جانے کا احساس سا ہو جائے۔

نجانے کیوں دل میں ایک کانٹا سا کھب گیا تھا! زندگی سے' زندگی کی بے تحاشا مصروفیات سے' ذہنی بوجھ اور سخت تناؤ کی کیفیت سے میں اچانک ہی اکتایا تھا۔

''حیرت ہے! گیتی کو اب میری سالگرہ بھی یاد نہیں رہی۔'' سونے سے پیشتر میں نے خود سے کہا۔



''ٹینشن۔ تناؤ......'' باقر نے سگار سلگاتے ہوئے مجھے دیکھا۔

''کتنے برس کے ہو گئے ہو بختیار!؟'' پھر دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے اس نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔ میں نے گہری سانس بھر کر آرام دہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی۔

''پورے چالیس برس کا۔''

''ہا' ہا' ہا۔'' اس نے ایک پر زور قہقہہ لگایا۔ ''ساری خرابی ہی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ بختیار احمد! مرد کی زندگی میں دو ہندسے بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ ایک چودہ کا اور ایک چالیس کا۔ چودہ برس کا ہندسہ ماؤں کے لئے خطرناک ہے اور چالیس کا ہندسہ بیوی کے لئے۔''

''واٹ ربش!'' میں نے اسے دلچسپ نگاہوں سے گھورا۔ ''مرد تو اول آخر خطرناک ہے باقر!''

''نہ' نہ چودہ برس کی عمر میں اگر ماں بیٹے کو سنبھال لے تو مرد خطرناک نہیں اور چالیس برس کو پہنچے تو بیوی کو اپنی سی کرنی چاہئے۔''

''کیوں چالیس برس کا مرد پاگل ہو جاتا ہے۔ کاٹنے کو دوڑتا ہے؟'' میں نے

قدرے تمسخر سے پوچھا۔

''یو آر رائٹ!'' اس نے میز بجائی۔ ''چالیس برس کا مرد بات بات پر بیوی بچوں کو کاٹنے کے لئے دوڑتا ہے۔''

''ربش ... ایسا کچھ نہیں ہے۔'' میں نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ''آئی لو گیتی۔ آئی لو مائی چلڈرن!''

''ہاں مگر تم ایک ہی رفتار سے' ایک ہی ٹارگٹ کے پیچھے بھاگتے بھاگتے تھک گئے ہو بختیار! دیکھو یہ جو پوزیشن کی دوڑ ہے' اس کا اختتام نہیں ہے۔ اس کا اختتام تو بس قبر کے سامنے جا کر ہوتا ہے۔ مرد جب بھاگتے بھاگتے تھک جاتا ہے تو کچھ دیر کے لئے ستانے کے لئے رکنا چاہتا ہے اور جب اس کی کوشش میں رفتار کم ہوتی ہے تو وہ ہانپنے لگتا ہے ہانپنے کے اس عمل کو ہی میں ٹینشن کہتا ہوں۔ تیز رفتاری سے اپنی منزل کی جانب بھاگتے شخص کو کبھی یہ ٹینشن نہیں ہوتی۔ یہ تو ہمیشہ اس وقت ہوتی ہے جب دل رکنا چاہتا ہو اور قدم بھاگ رہے ہوں۔''

باقر کی گفتگو میں ایک عجیب سی کشش تھی۔ میں کچھ بھی بولے بنا اسے سنتا رہا۔

''تم کیریئر بنانے کے چکر میں بھاگتے گئے۔ پھر تمہیں روپیہ کمانے کی لت پڑ گئی۔ تمہاری رفتار اس قدر تیز ہو گئی کہ بیوی بچے پیچھے رہ گئے۔ تمہارے منظر ان کے مناظر سے تبدیل ہو گئے۔ ان کی دنیا تمہاری دنیا سے الگ ہو گئی اور ستانے کے شوق میں جب تم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو تمہیں احساس ہوا' اکیلے پن کا' تنہائی کا۔''

میں ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے میری آنکھوں سے شاید اپنے کہے کی درستگی کا احساس ہوا۔ اس کے لب مسکرانے لگے۔

''کیا تمہیں نہیں لگتا بختیار کے گھر' خاندان' بچوں اور دیگر ذمہ داریوں میں الجھ کر تمہاری بیوی نظر انداز کر رہی ہے۔''

''لگنے لگا ہے!'' میرے لبوں سے بے ساختہ ہی نکلا تھا۔

''اور بچے! عمر کے اس دور میں عموماً ماں باپ کی نہیں۔ اس عمر میں آسائشات کی طلب ہوتی ہے ... جو شخص یہ آسائشات فراہم کر رہا ہو' اس کی اہمیت کا احساس نہیں ہوتا۔''

''یعنی کسی کو عملاً میری ضرورت نہیں۔'' میں پھیکی سی ہنسی ہنس کر سگریٹ سلگانے لگا۔

''تمہیں ایک شئے کی ضرورت ہے۔'' وہ پراسرار سے انداز میں مسکرایا۔

میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''چلو تمہیں کسی سے ملواتے ہیں۔ ٹینشن کم کریں۔ تمہاری۔'' وہ اچانک کھڑا ہو گیا۔

''میرے پاس محض دو گھنٹے ہیں باقر!'' میں نے قیمتی رسٹ واچ پر نظر دوڑائی۔

''میری فلائٹ کراچی کے لئے لیٹ ہو گئی تو میں تم سے ملنے چلا آیا۔''

''ارے چلئے جناب...... ہو سکتا ہے آپ فلائٹ ہی چھوڑ دیں۔'' اس نے زوردار...... قہقہہ لگایا تھا۔

اس نے مجھے سحر زدہ کر ڈالا تھا۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس کی سوک میں منزل تک پہنچنے میں ہمیں زیادہ وقت نہیں لگا۔ یہ ایک پلازہ تھا۔ ایک قدرے پرانی عمارت۔ بارش نے جسے اچھا بھلا نقصان پہنچایا تھا۔ باقر سیڑھیاں چڑھنے لگا تو میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ وہ غالباً تیسری منزل کے ایک فلیٹ کے سامنے رکا تھا۔

کال بیل کے جواب میں ایک بوڑھے شخص نے دروازے سے سر نکالا تھا۔ باقر کو دیکھ کر اس کے لب مسکرائے۔ اس نے دروازہ وا کر کے گویا ہمیں اندر آنے کی دعوت دی۔

''کہاں لائے ہو باقر مجھے؟'' مجھے ایک الجھن نے آن گھیرا۔

''دعائیں دو گے بیرسٹر صاحب!'' اسے میری الجھن کی مطلق فکر نہ تھی۔ وہ یوں ہی مسکراتا رہا۔

ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ فلیٹ اندر سے نسبتاً کشادہ اور صاف ستھرا تھا۔ ڈرائنگ روم کی سجاوٹ میں بھی اچھے ذوق کی کارفرمائی نمایاں تھی۔ ایک حصے کو سفید لڑیوں کے پردے کی مدد سے علیحدہ کیا گیا تھا۔ میں ابھی لڑیوں کے موتیوں پر غور کر رہا تھا کہ یکایک لڑیاں ایک طرف ہوئیں اور وہ اندر داخل ہوئی۔ میں گڑبڑا سا گیا۔

''آداب!'' اس نے داخل ہوتے ہوئے بڑے طریقے سے کہا تھا۔

''کیسی ہو ساحرہ'' باقر مسکرا رہا تھا۔

''اچھی ہوں۔'' وہ بھی مسکرائی ۔ گویا روشنی بکھر گئی۔ ''بڑے دن بعد کرم فرمائی کی۔''

''ان سے ملو...... یہ ہمارے بڑے پرانے یار ہیں۔ برسوں بعد ملے ہیں۔ بیرسٹر بختیار احمد! ہم نے سوچا کچھ دعا سلام ان کی آپ سے کروائی جائے۔''

''زہے نصیب۔'' وہ مسکرائی ''کیسے ہیں بیرسٹر صاحب! مزاج اچھے ہیں؟''

''بختیار! یہ ساحرہ ہیں! صرف نام کی ہی نہیں شخصیت کی بھی! اسم با مسمٰی ہیں گویا''

میں نے سر ہلا کر تعارف کا مرحلہ مکمل کر لیا تھا۔ باقر کا یہ اقدام مجھے قطعاً اچھا نہ لگا تھا۔ مجھے ہرگز امید نہ تھی کہ وہ مجھے کسی اس قسم کی عورت سے ملوانا چاہتا ہے۔ اب تک تو میں یہی سمجھ رہا تھا کہ کسی بہت پرانے دوست سے یا کسی اہم شخصیت سے ملوانے لے جا رہا ہے۔ وہ تو کسی اور ہی خیال میں تھا۔

''میرا خیال ہے میں چلوں باقر!'' مجھے دفعتہً کوفت نے آن گھیرا۔ ''میری فلائٹ۔''

''ابھی دو گھنٹے دور ہے۔'' اس نے میرا جملہ اچکا۔

''بیٹھیے نا بیرسٹر صاحب!'' ساحرہ ناز سے بولی۔

''اب آپ مہمان ہیں ہمارے...... اور اپنے مہمانوں کو ہم ایسے رخصت نہیں کرتے۔''

''پلیز میں لیٹ ہو جاؤں گا۔''

''ہم آپ کے لئے فلائٹ لیٹ کروا دیں گے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ ''یقین جانیے۔''

''بابا......'' پھر اس نے آواز دی تھی۔

''جی بی بی جی۔'' وہی بوڑھا شخص نمودار ہوا۔

''اچھی سی کافی پلوایئے...... کچھ کھانے کے لئے بھی لائیں۔ لیکن ذرا جلدی۔

بیرسٹر صاحب کی فلائٹ مس ہو گئی تو یہ سارا الزام ہمارے کھاتے میں ڈال دیں گے۔"

اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ شاید یہی میری غلطی تھی۔ اس کے ساحر نقوش عقل کے لئے بھول بھلیوں کا کام کرتے تھے۔

چمکتی سفید مانگ سے نگاہ پھسلتی پیشانی تک چلی آئی تھی۔ کمان دار ابرو مقناطیسی چمک کی حامل آنکھوں تک کھینچ آتے تھے۔ ایک لمحہ کے لئے نظر ستواں تک میں پڑی ہیرے کی لونگ سے خیرہ ہوتی تو اگلے ہی پل سفید دانتوں کی جلوہ گری عقل کی نگاہ کو میچ ڈالتی تھی۔

"بیوٹی فل!" میرے دل سے بے اختیار نکلا تھا۔

باقر کو میری دلچسپی کا اندازہ ہو چلا تھا۔ وہ بے نیازی سے اپنے بریسلیٹ سے کھیل رہی تھی۔

تمہارا غزلوں کا کلیکشن وہیں تک ہے یا اس میں کچھ اضافہ بھی ہوا ہے؟" باقر اس سے پوچھنے لگا۔

"کئی نئے کیسٹس لائی ہوں۔ چاہیں تو حسن ذوق کو محظوظ کیجئے۔" اس نے سامنے والے کمرے کی جانب اشارہ کیا۔

"میں ابھی آیا بختیار..... اپنی پسند کی چند ایک غزلیں سن لوں۔" باقر اٹھ کر اندر کمرے میں چلا گیا۔

میرے اور اس کے بیچ تنہائی حائل ہوئی تو مجھے اس کی مقناطیسیت کا صحیح انداز ہوا۔ وہ بڑی قیامت خیز جوانی کی حامل عورت تھی۔ نگاہ پڑتے ہی دل اس کی جانب کھنچنے لگتا تھا۔

"بڑا مختصر قیام ہے آپ کا ہمارے شہر میں۔" وہ انداز دلنوازی سے بولی۔

"شہریوں کے متعلق میرا علم کمزور تھا۔" میں سادگی سے بولا۔

اس نے دھیما سا قہقہہ لگایا۔

"پھر اب کیا خیال ہے؟"

"سوچنا ہوگا۔" میں اس کے سحر سے بچنے کی خاطر سگریٹ سلگانے لگا۔

''ضرور سوچیے! لیکن خیال رہے۔ بسا اوقات جتنے ہاتھ پیر زیادہ چلیں بندہ اتنی ہی تیزی سے ڈوبتا ہے۔''

اسے اپنے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی نہ تھی۔ میں مسکرا دیا۔

''ہاں...... اگر انسان تیرنا نہ جانتا ہو۔'' پھر میں بولا۔

''نہیں اگر تیراک کسی بھنور میں آن پھنسے۔''

غضب کی برجستگی تھی، میں نے نظریں اٹھائیں۔ اس کی سمندر آنکھوں میں بھنور ہی بھنور تھے۔



گاڑی تیزی سے تارکول کو سیاہ سڑک پر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ باقر مجھے ایئر پورٹ تک چھوڑنے جا رہا تھا۔

ہمارے درمیان خاموشی کا ایک لمبا وقفہ آ گیا تھا۔

''کچھ غلط نہیں ہے یار بختیار یہ۔'' پھر وہ بولا۔

شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ میں کچھ خفا ہوں۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہ تھا۔ میں ساحرہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔

''مرد کے لئے یہ ریلیکسیشن بہت ضروری ہے۔ گھر کی عورت اندازہ کر ہی نہیں سکتی کہ فی زمانہ باہر کی دنیا میں اپنی بقا کی لڑائی لڑتا مرد کس ذہنی تناؤ سے دوچار رہتا ہے۔ جیسے تنی ہوئی رسی پر قدم قدم بڑھاتے جاؤ...... ہر طرف ایک لڑائی ہو، چوکھی لڑتے رہو۔ اسے تو بس یہ علم ہوتا ہے کہ جی یہ صوفہ یہاں سے اٹھا کر وہاں رکھ دو، یہ میز اس کونے میں رکھی ہے تو ٹھیک ہے اس کی قیمت کا اندازہ نہیں ہوتا' مسز فلاں نے ڈنر سیٹ فلانی جگہ پر خریدا ہے تو بہت سستا مل گیا۔ یہ بچہ پڑھائی میں سست ہے اسے ٹیوٹر کی ضرورت ہے، دوسرے بچے کو پرسنل کمپیوٹر چاہئے۔ یار یہ باتیں تو جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ ذہنی تروتازگی کے لئے ایک پھول سی محبوبہ کی ضرورت ہے۔ بختیار......! جو غزلوں پر گفتگو کرے، چاندنی رات کے قصے چھیڑے، ساحل سمندر پر ہاتھ میں ہاتھ دے کر دور تک جائے۔ بیوی کو تو یہ فکر آن گھیرے گی کہ ہائے پیچھے بچے اکیلے رہ گئے ہیں' کوئی ڈوب نہ جائے۔''

وہ ہنسا اور دیر تک ہنستا چلا گیا۔

"ایک بھرپور' خوشگوار زندگی کا فارمولا جانتے ہو؟"

"کیا؟" میں جیسے کسی کنوئیں سے بولا تھا۔

"خوبصورت بیوی' دو بچے اور ایک پوشیدہ عشق۔"

ہم دونوں ہنسنے لگے۔

میں رخصت ہونے لگا تو اس نے دھیرے سے میرا ہاتھ دبایا۔

"ہم یاروں کے یار ہیں۔ یاروں کی راہ سجاتے ہیں۔ کھوٹی نہیں کرتے...... ساحرہ اچھی عورت ہے' تمہارا بہت خیال رکھے گی۔"

میں محض مسکرا دیا۔

✿.........✿.........✿

کراچی آ کر میں پھر اپنی دنیا میں اسی طرح مگن ہو گیا۔ دن رات کی وہی آنکھ مچولی جاری تھی۔ جب کام کے دباؤ اور زیادتی نے مجھے بیمار کر دیا۔ میں چند روز کے لئے ہاسپلائز ہو گیا' گیتی سب کچھ چھوڑ کر میرے سرہانے آ بیٹھی۔ گھر' بچے ذمہ داریاں' اس نے سب کچھ فراموش کر دیا۔ اس کے دن رات میرے لئے وقف ہو گئے۔ لیکن نجانے کیوں ایک عجیب بات ہوئی تھی۔

میں اپنے قریب بیٹھی گیتی کا موازنہ' سینکڑوں میل دور بیٹھی ساحرہ سے کرتا تھا۔

گیتی بات کرتی تو میرے کانوں میں ساحرہ کی سحر انگیز آواز گونجنے لگتی۔ مجھے اس کی دلنواری اور برجستگی یاد آنے لگتی۔ گیتی کسی بات پر مسکراتی تو ساحرہ کی دلکش ہنسی کی گھنٹیاں میرے اردگرد بجنے لگتیں۔ گیتی میرے کمرے میں چلتی پھرتی اور مجھے ساحرہ کے خدوخال کی کشش یاد آتی رہتی۔

"گیتی! چلو کہیں گھومنے چلتے ہیں۔ شہر کے ان ہنگاموں سے دور۔ کچھ دن کہیں اکیلے میں گزار کر آتے ہیں۔" ایک دن میں نے ایک عجیب سی فرمائش کی۔

وہ چند لمحے تذبذب کا شکار رہی۔

"کیا بات ہے؟ تم خاموش کیوں ہو گئیں؟"

''بختیار۔ یہ سیزن تو بچوں کے ایگزامز کا سیزن ہے۔ فائنل ٹرمز سر پر ہیں۔ ویسے ہی آپ کی بیماری کے دوران میں بچوں پر بالکل توجہ نہ دے پائی۔ ٹیوٹر تو اپنے گھنٹے مکمل کر کے کھسک لیتا ہے اسے اس بات سے غرض نہیں کہ کسی بچے کی پوزیشن بن رہی ہے یا نہیں۔ یہ دیکھنا میرا ہی کام ہے۔ مجھے تو اب رات دن لگ کر۔''

''پلیز گیتی...... پلیز ا کیپ کوائٹ ناؤ۔'' میں نے آنکھیں موند کر کہا۔

میرے اندر ایک دم ہی کچھ سلگ اٹھا تھا۔ وہ حیرانی سے میری طرف دیکھتی رہ گئی۔



کچھ دن بعد میں لاہور چلا آیا۔ ساحرہ نے میرا استقبال چمکتے چہرے کے ساتھ کیا تھا۔

''مجھے یقین تھا۔ آپ ضرور آئیں گے۔''

''کیوں؟ میں کچھ چھوڑ کر تو نہیں گیا تھا۔'' میں مسکرایا۔

''اور جو ہم ثبوت پیش کریں۔'' وہی انداز دلربائی...... جو جکڑ لیتا تھا۔

''کہاں؟'' مجھے حیرت ہوئی۔

وہ اٹھ کر الماری تک گئی اور ایک رومال نکال لائی۔ پھر میرے سامنے بیٹھ کر اس رومال کی تہیں کھولیں۔

اندر سگریٹ کا بچا ہوا ٹکڑا' دو استعمال شدہ ٹشو پیپرز اور ایک لائٹر موجود تھا۔

''کم آن۔'' بے ساختہ میرے لبوں سے نکلا۔ ''یہ کیا حماقت ہے۔''

''بیرسٹر صاحب!'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ ''یہ محبت ہے۔''

''محبت؟'' میں استہزائیہ ہنسا۔ ''تمہیں شاید کچھ غلط فہمی ہو رہی ہے۔ ساحرہ''

''نہیں...... میں آپ کی نہیں اپنی بات کر رہی ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''آپ بڑے آدمی ہیں...... دو جمع دو چار پر یقین رکھتے ہوں گے...... میں پہلی نظر کی محبت کی قائل نہ تھی' اب ہو گئی ہوں۔ اس میں کوئی جھوٹ' کوئی کھوٹ نہیں۔ میں اتنے دنوں سے نہایت بے چینی سے آپ کی منتظر تھی۔ میں حقیقتاً آپ سے......''



میں حقیقتاً ساحرہ کے ساتھ لانگ ڈرائیو پہ نکل گیا۔ کراچی سے لاہور اور لاہور سے کراچی کا سفر میرا معمول بن گیا۔ گیتی کو میرے اندر رونما ہونے والی تبدیلیوں کا احساس ہوا تھا یا نہیں' میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ وہ ایک پر سکون سمندر کی مانند تھی' مجھے اس کے اندر موجزن جذبوں کا علم اکثر نہیں ہوتا تھا۔ یوں بھی گیتی میرے لئے سانس لینے کے عمل کا نام تھی۔ از حد ضروری اور نہایت غیر محسوس ساحرہ میری نیند' میرا نشہ بن گئی۔ تھکن جسم وجاں کو چڑھتی تو مجھے ساحرہ کی کمی محسوس ہونے لگتی۔ میں لاہور پہنچ جاتا اور نہایت فریش ہو کر واپس لوٹتا۔ واپس آ کر گیتی مجھے اچھی لگتی۔ بچوں کے ساتھ کچھ وقت گزارنا دلچسپ محسوس ہوتا۔

باقر کے بتائے ہوئے فارمولے نے زندگی کو واقعی خوشگوار بنا دیا تھا۔



دس سال پورے دس سال ساحرہ کے سحر میں مبتلا ہو کر یوں گزرے کہ مجھے بیرسٹر بختیار احمد کو مڑ کر سود و زیاں کے حساب کتاب کا ایک مرتبہ بھی خیال نہ آیا۔

ساحرہ نے حقیقتاً مجھے بہت محبت دی۔ اس نے مجھے روح تک شانت کر دیا۔ میں نے اسے روپیہ دیا۔ اپنا قیمتی وقت دیا۔ ہمارا حساب برابر چل رہا تھا جب اس نے مجھ سے بہت بڑی فرمائش کر دی۔

''بختیار! ...... مجھ سے شادی کر لیں۔''

''واٹ نان سینس ساحرہ!'' میں اس کی فرمائش پر بے ساختہ ہنس دیا۔ ''یہ تمہارے اور میرے بیچ شادی جیسا فارمولا موضوع کس لئے۔''

''بختیار! میں سنجیدہ ہوں۔'' وہ واقعتاً سنجیدہ تھی۔ ''مجھے اعتراف ہے کہ آپ سے پہلے میری زندگی میں کئی مرد آئے۔ آئے اور چلے گئے۔ سمندر کی لہروں کی طرح۔ اپنا ہر نقش خود ہی مٹا گئے۔ آپ مجھے سب سے ہٹ کر لگے۔ سب سے مختلف ...... میں نے اپنا دل' جسم اور سوچیں سب کچھ آپ کو دان کر دیا۔ میں اپنی روح کی سچائی سے آپ کی بن گئی۔ جی ہی جی میں آپ کی پوجا کی ہے میں نے ...... لیکن' لیکن اب من کرتا ہے بختیار! کہ آپ دیوتا نہیں انسان بن کر یوں ملیں کہ من و تو کا فرق مٹ جائے اور یہ خصوصیت محض ایک ہی رشتے کو حاصل ہے۔''

''محبت کا رشتہ ہر رشتے سے زیادہ معتبر ہے ساحرہ بیگم! میں ذرا سا تلخ ہوا۔'' اس میں کسی گارنٹی کی ضرورت نہیں اور پھر میں نے تم سے کبھی نہیں کہا میں کبھی تم سے شادی بھی کروں گا۔''

''مجھے اعتراف ہے بختیار!'' اس کی نظریں جھک گئیں۔ ''لیکن آپ کو بھی تسلیم کرنا ہوگا میں ایک طوائف ہو کر بھی کبھی آپ سے طوائف بن کر نہیں ملی۔ آپ کے لئے طوائف سے پھر عورت بن گئی۔ اب میں عورت سے بیوی بننا چاہتی ہوں۔ کیا میری دس سال کی ریاضت کا اتنا سا صلہ بھی آپ کے پاس نہیں۔ محض نکاح کے تین بول؟''

''کیا ان دس سالوں میں میں نے تمہیں کچھ نہیں دیا ساحرہ؟''

''وہ سب کچھ جس کی مجھے تمنا نہ تھی۔'' وہ گہرے دکھ سے بولی۔ ''دولت' بنگلہ' گاڑی... ان سب چیزوں کی تمنا آپ سے مل کر ختم ہو گئی تھی۔''

''ربش...... ختم کرو!'' میں جھنجلا کر کھڑا ہو گیا۔

''بختیار!'' وہ تیزی سے میرے سامنے آ گئی۔ ''میں آئندہ محض بیوی کی حیثیت سے آپ سے ملنا چاہوں گی۔''

''میں سوچوں گا۔''

میں کہہ کر وہاں رکا نہیں۔ تیزی سے نکل آیا۔



میں گھر میں داخل ہوا تو سفیان کہیں جا رہا تھا۔

''السلام و علیکم پاپا۔ ہاؤ آر یو۔'' وہ اپنی ''سٹی'' کی چابی جھلاتا خاصی تیزی میں تھا۔

''وعلیکم السلام۔ کہاں جا رہے ہو برخوردار!''

میں کوئی لمحہ بھر بعد اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اس کا یوں تیزی سے جانا مجھے پسند نہ آیا۔

''پاپا وہ...... '' وہ ذرا سا رکا ''ایک دوست سے ملنا ہے۔ میں ویسے بھی لیٹ ہو گیا ہوں۔''

''اوکے گوا'' میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اندر چلا آیا۔

اندر ارما اور ایمان کی سہیلیاں آئی ہوئی تھیں۔ غالباً کوئی ون ڈش ٹائپ تقریب تھی۔ میں ڈرائنگ روم میں ذرا سا جھانک کر اوپر کمرے میں چلا آیا۔

منورہ میرے پیچھے آئی تھی۔

''صاحب جی! کھانا لاؤں؟''

''ہوں؟'' میں کسی خیال میں چونکا۔ ''گیتی کہاں ہے؟''

''بی بی جی...... شاید مارکیٹ گئیں ہیں...... کچھ بتا کر نہیں گئیں۔''

''میں ان کے ساتھ ہی ڈنر کروں گا۔''

''جی بہتر!'' وہ چلی گئی۔

میں لباس تبدیل کر کے بیڈ پر چلا آیا۔ تکیے کے سہارے نیم دراز ہو کر میں بزنس سے متعلق میگزینز دیکھنے لگا۔

میرے ذہن میں ساحرہ کی باتیں گردش کر رہی تھیں۔ ذہنی طور پر میں غیر حاضر تھا۔ کتنی عجیب سی فرمائش کی تھی اس نے' میں بیرسٹر بختیار احمد جو اتنے سالوں کی محنت کے بعد اب اس کا پھل پانے والا تھا' اس مقام پر آ کر دوسری شادی کرتا اور وہ بھی ایک طوائف زادی سے؟ اور پھر مجھے بیوی کی ضرورت ہی کہاں تھی؟ گیتی جیسی بیوی کے ہوتے ہوئے کوئی پاگل ہی دوسری شادی کے متعلق سوچ سکتا تھا۔ میرا گھر تھا' بیوی تھی' چار بچے تھے۔ جو جوانی کی حدود میں داخل ہو رہے تھے۔ میں دوسری شادی کیوں کرتا؟

مجھے ساحرہ کی باتوں اور اس کے تصور سے اکتاہٹ ہونے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ زندگی کا یہ باب اب بند ہونا چاہئے۔

چند ہی لمحوں میں میں اس کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ ''ہیلو ساحرہ! بختیار بات کر رہا ہوں۔''

''کہیے!'' اس کا لہجہ کمزور تھا۔''

''میں نے فیصلہ کیا ہے۔ میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔ مجھے شادی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔''

"بختیار ... " اس کی آواز دکھ سے بوجھل ہوگئی۔ "میں نے محض ایک کاغذ ہی مانگا ہے۔"

"میں وہ کاغذ تمہیں نہیں دے سکتا ساحرہ۔" میرا لہجہ حتمی تھا۔ "میں نے تمہیں اپنی زندگی کے دس سال دیئے ہیں۔ بے حساب پیسہ دیا ہے۔ اپنی جیون ساتھی کا اعتماد اور اعتبار دیا ہے۔ تمہیں ... آج تمہیں شادی کی خواہش ہے' کل کو تم بچہ مانگو گی' پھر تمہیں اس کے حقوق کا خیال ستائے گا ... تمنا کی کوئی حد نہیں ہوتی ساحرہ ... میں بہرحال اپنی زندگی سے مطمئن ہوں۔ میری بیوی بہترین ہے' میرے وارث جوان ہو چکے ہیں ... اور میرا خیال ہے میں تمہیں تمہارے حصے کا وقت دے چکا ہوں ... تم آئندہ مجھ سے محض بیوی کی حیثیت سے ملنا چاہتی تھیں ... میرا خیال ہے' ہم آئندہ کبھی نہیں ملیں گے ..."

میں نے دوسری جانب اس کی سسکیاں سنیں۔

"خدا حافظ!"

میں ریسیور رکھ کر مڑا اور پتھر کا بن گیا۔ گیتی میرے عین مقابل تھی۔

"گیتی ... !" میرے لبوں سے اعتراف گناہ کی مانند نکلا تھا۔

اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

"آ کر کھانا کھا لیجئے!" وہ کہہ کر مڑ گئی تھی۔



ایک طویل عرصے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس روز گیتی کو دیکھ کر پتھر کا میں نہیں بنا تھا۔ وہ سب باتیں اپنے کانوں سے سن لینے کے بعد گیتی پتھر کی ہوگئی تھی۔

میں اعلیٰ پائے کا قانون دان ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی اس پتھر کے مجسمے میں پھر کبھی روح نہ پھونک سکا۔

اس نے مجھ سے کوئی استفسار نہ کیا تھا۔ گلے شکوے کرنا اس کو کبھی نہ آیا تھا۔ لڑائی جھگڑا اس کی فطرت نہ تھی۔ ایسے میں غم میں اس کا پتھر بن جانا لازمی امر تھا۔

زندگی گزرتی چلی گئی۔ مجھے پھر کبھی گیتی' بیوی کے روپ میں نہ ملی۔ وہ صرف میرے بچوں کی ماں تھی۔ میرے گھر کی مالکن تھی۔ وہ میری گیتی نہ تھی۔

سفیان اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر چلا گیا۔ فرقان دوسرے شہر ہاسٹل شفٹ ہو گیا۔
ارما اور ایمان کی شادی ہم نے ایک ساتھ ہی طے کر دی تھی۔ یوں بھی ہمیں بہتر لگا تھا کہ دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں چلی جائیں۔ زندگی بھر ایک دوسرے کی مونس و غم خوار رہیں۔ ہماری بیٹیاں بیاہ کر چلی گئیں۔ گھر خالی ہو گیا۔ دل خالی ہو گیا۔

گیتی کے جذبات کیا تھے۔ مجھے علم نہ تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کرنے کو اب زندگی میں کچھ باقی نہیں۔

خالی دل' خالی کمرے اور خالی گھر نے مجھے کسی ناگ کی مانند ڈسا تھا میں دیوانوں کی طرح گیتی کو ڈھونڈھتا پھرنے لگا۔

ایک کمرے سے دوسرا کمرہ..... ٹیرس' سیڑھیاں' کچن' لاؤنج' ڈرائنگ' ڈائننگ۔ سب جگہ ڈھونڈا' وہ کہیں نہ تھی۔

پھر میں باہر نکل آیا۔ سفید لباس میں ملبوس' افسردہ گیتی لان کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ اس کی مانند اداس زرد چاند سرو کے اوپر ٹکا ہوا تھا۔ میں ایک ایک سیڑھی اترتا اس کے پاس جا بیٹھا۔

''گیتی۔ یوں اکیلی بیٹھی ہو؟''

اس نے گردن موڑ کر میری طرف دیکھا۔

''میں ایک طویل عرصے سے اکیلی ہوں بیرسٹر صاحب..... '' پھر وہ موسم کی مانند سرد اور خشک لہجے میں بولی۔ ''یہ آپ کو آج کیسے خیال آیا؟''

''کیا عورت کی لغت میں معافی کا لفظ نہیں ہوتا گیتی آرا!'' میرے لبوں پر شکوہ سسک پڑا۔

وہ دھیرے سے ہنس دی۔

''مرد کی لغت میں ''وفا'' کا لفظ ہوتا ہے؟''

''میں نے کبھی تم سے بے وفائی تو نہیں کی گیتی..... !تمہیں تمہارے مقام سے کبھی نیچے نہیں کیا' کسی دوسری عورت کو تمہارا مقام نہیں دیا..... میں نے تو..... تھوڑا سا وقت ڈھونڈا تھا اپنے لئے' تم بہت مصروف تھیں..... بیوی کو اپنے اندر کہیں سلا کر تم محض ماں بن گئی

تھیں۔ قصور وار صرف میں ہی نہیں ہوں گیتی ...... تم نے خود اپنے اور میرے بیچ اتنی ذمہ
داریوں کو حائل کر لیا کہ تم مجھے ایک خواب کی مانند لگنے لگیں ...... اور بس ...... ذرا سی دیر کو
میری آنکھ لگ گئی تم ماں بن کر شوہر کو بھول گئیں ...... تم نے فراموش کر دیا گیتی کہ مرد وہ بچہ
ہوتا ہے جسے روز ایک نیا کھلونا دے کر بہلانا پڑتا ہے۔ ورنہ یہ بچہ روٹھ کر گلی میں جا کھڑا
ہوتا ہے اور جو دروازہ کھلا مل جائے وہیں جا نکلتا ہے۔ بس اتنی سی غلطی ہے گیتی ...... حالانکہ
مڑ کر واپس اپنے گھر ہی آنا ہوتا ہے ...... گھر کا دروازہ کھلا ہونا چاہئے نا؟"

وہ خاموش بیٹھی چاند کو تکتی رہی۔ پھر بولی۔

"بختیار! عورت کی خواہشات مرد سے مختلف نہیں ہوتیں۔ مرد توجہ چاہتا ہے، ہر پل
محبت مانگتا ہے، مکمل حکمرانی کرنا چاہتا ہے۔ عورت کو بھی توجہ درکار ہوتی ہے ...... پل پل اپنے
شوہر کی محبت اس کا دل بھی مانگتا ہے ...... لیکن یوں ہے بختیار کہ اس کے خمیر میں خدا نے
قربانی کا وہ عظیم جذبہ بھی گوندھ دیا ہے جو مرد کے خمیر میں نہیں ...... یہ ممتا کا جذبہ ہے، ابتداء
سے انتہا تک صرف قربانی۔ اپنے سکھ کی قربانی، اپنی نیند کی قربانی، اپنے جذبات کی،
خواہشات کی قربانی۔

قربانی کا یہ تصور مرد کے پاس نہیں ہے۔

بختیار! شوہر، بیوی کے طاق نسیاں میں رکھا کوئی ان جلا چراغ تو نہیں جسے ماں
بن کر بھول جائے ...... شوہر تو عورت کا وہ قیمتی زیور ہے جسے وہ حفاظت سے لاکر میں رکھ
بھی دے تو بھولتی نہیں۔ ہر روز، صبح و شام، اٹھتے بیٹھتے اسے اپنے زادِ راہ، متاعِ حیات کا خیال
رہتا ہے۔ تحفظ کے اس عظیم احساس کو کوئی عورت کیسے فراموش کر سکتی ہے؟

اپنی اولاد کی پرورش کی خاطر اگر عورت اپنے جیون ساتھی کو مکمل توجہ نہ دے پائے
تو کیا اس کے لئے جیون ساتھی کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے؟

میرے بچے۔ کیا تمہارے بچے نہ تھے؟ ان کی خاطر جدوجہد کے لئے کیا تم مجھ
سے دور نہیں ہوئے؟ کیا میں نے تمہاری بے توجہی محسوس کر کے کسی ساحرہ کی کمی کو محسوس کیا؟
کیا مجھے تمہاری محبت، تمہاری توجہ، تمہارے جذبوں اور ان کے اقرار کی ضرورت محسوس نہیں
ہوتی تھی؟ بار ہا ہوتی تھی بختیار ...... بار ہا لیکن میں نے زندگی میں کبھی کسی چور رستے کی

ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیونکہ میں ایک ماں تھی ماں! ممتا کا سچا نشہ عورت کو اتنا بے نیاز رکھتا ہے اسے خود فراموشی کے جھوٹے سہاروں کی ضرورت نہیں پڑتی۔

لیکن شاید..... شاید بختیار! ایک باپ کی محبت میں وہ طاقت نہیں جو ایک مرد کو بے نیازی' خود فراموشی سکھا سکے۔

مرد کبھی خود کو فراموش نہیں کر پاتا کبھی نہیں' اس کے اندر چھپا انا کا ناگ بار بار اپنا پھن پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہے کہ ہاں' میں ہوں!..... میں ہوں! میں ہوں!

اور پھر ممتا میں ڈوبی عورت کو چھوڑ کر مرد بھاگتے ہیں کسی ساحرہ کے پاس' کسی حسن آرا کے پاس' کسی مہ پارہ کے پاس۔

بھاگتے جاتے ہیں اور پلٹ پلٹ کر اپنا دروازہ دیکھتے جاتے ہیں۔

''لیکن بختیار! ایک بات غور سے سنو گھر کا دروازہ مرد کو ہمیشہ کھلا ملتا ہے۔ لیکن دل کا دروازہ ایک بار بند ہو جائے تو پھر کبھی نہیں کھلتا کبھی نہیں۔''

اس کی آواز آنسوؤں کی نمی سے رندھنے لگی۔

''میرے دل کا دروازہ بھی عرصہ ہوا بند ہو چکا ہے۔ گھر آج بھی تمہارا ہے بختیار! بچے تمہارے ہیں شاید یہ وجود بھی تمہارا ہے۔ بس ایک دل کی کمی ہو گئی ہے ایک دل کی۔''

وہ اٹھی اور تھکے تھکے قدموں سے اندر چلی گئی۔

''دل ہی تو چاہئے گیتی..... دل ہی تو چاہئے۔ مرد کی حقیقت کو اتنا سمجھتی ہو پھر بھی یہ نہ جان پائیں کہ عمر کی آخری منزل پر آ کر مرد کو ایک بار پھر صرف اپنی عورت کا دل درکار ہوتا ہے۔ اسے گھر کا نہیں دل کا دروازہ کھلا چاہئے ہوتا ہے۔''

میں زندگی کا سب سے اہم مقدمہ ہار کر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے رو رہا تھا۔

